عبدالخالق توقیر☆

مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ

أستاذِ محترم مولانا محمد شفیق مدنی صاحب بے شمار اوصاف کے حامل ایک ماہرِ تعلیم أستاد ہیں۔ رقیق القلب، شریف النفس اور منکسر المزاج، گویا آپ اسم با مسمّیٰ ہیں۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں زیرِ تعلیم رہے، یہیں سے مدینہ یونیورسٹی گئے اور کلیۃ الشریعۃ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے فوراً عرصہ ۲۰ سال سے مسلسل جامعہ ھذا میں تعلیم وتدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں جن میں سے ۱۵ سال ناظم التعلیم رہے۔ آپ کا شمار جامعہ کے بہترین اساتذہ اور منتظمین میں ہوتا ہے۔ شعوری عمر کے اس طویل عرصہ میں آپ نے بے شمار دینی وسیاسی نشیب وفراز دیکھے۔ پچھلے دنوں رشد کے انٹرویو پینل نے آپ سے ملاقات کی جو نذرِ قارئین کی جا رہی ہے:

رُشد: مولانا! اپنا تعارف کروائیے کہ آپ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

مولانا: میرا نام محمد شفیق بن محمد دین ہے، میں ۱۷/ جولائی ۱۹۶۳ء کو رینالہ خورد شہر کے نواحی گاؤں چک نمبر ۱۸/ وَن/ ایل میں پیدا ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ساہیوال ضلع اور اوکاڑہ تحصیل ہوتی تھی، لیکن اب تو کافی تبدیلی آ گئی ہے کہ رینالہ خورد کو تحصیل اور اوکاڑہ کو ضلع بنا دِیا گیا ہے۔ بہرحال میری پیدائش ضلع اوکاڑہ کی ہے۔

رُشد: کیا آپ کے والدین ابھی حیات ہیں؟ آپ نے انہیں کیسا پایا؟

مولانا: میرے والدین، بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں، وہ عام دیہاتی والدین کی طرح اَن پڑھ ہی ہیں۔ والدہ محترمہ نے ناظرہ قرآن پڑھ رکھا تھا، اس کے علاوہ انہیں پنجابی زبان کے دینی اشعار بھی زبانی یاد تھے، جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو وہ رات کو اکثر ہمیں اَحوال الآخرت کے اشعار سنایا کرتی تھیں، والدہ صاحبہ کو دین سے خاصا لگاؤ تھا، میں اکثر دیکھتا تھا کہ گھریلو کام کے دوران ان کی زبان پر دینی اشعار جاری رہتے تھے۔ لیکن میرے والد صاحب ایک خالص زمیندار انسان تھے اور قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، البتہ مدرسہ میں مجھے انہی نے بھیجا تھا۔

رُشد: آپ کے بہن بھائی کتنے ہیں اور ان کی کیا مصروفیات ہیں؟

☆ متعلّم ثالثۃ کُلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ

مولانا: ہم کل ۹ ربہن بھائی ہیں: ۳ ربہنیں اور ۶ ربھائی۔ تمام بہنیں شادی شدہ ہیں، ان کی شادیاں رشتہ داروں میں ہوئی ہیں۔ بھائیوں میں، مَیں سب سے بڑا ہوں، باقی بھائیوں کے نام محمد حنیف، عبدالعزیز، عبدالمجید، محمد رفیق اور محمد خلیل ہیں، چھوٹے بھائی عبدالعزیز جامعہ رحمانیہ ہی سے فارغ التحصیل ہیں، میں یہاں مدرس تھا اور وہ یہاں پڑھا کرتے تھے، اُنہوں نے ایف اے بھی کر رکھا ہے اور وہ میرے ساتھ ہی میرے مدرسہ میں ہوتے ہیں۔ بھائی محمد رفیق نے بھی جامعہ رحمانیہ ہی سے قرآن کریم حفظ کیا ہے، باقی تینوں بھائی گھر پر ہوتے ہیں، وہ زمینداری کرتے اور مویشی پالتے ہیں، اُنہوں نے پرائمری، مڈل اور میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کر رکھی ہے، ہماری طرف سے انہیں تعلیم حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی بلکہ والدین کی شدید خواہش اور اصرار تھا کہ وہ پڑھ لیں لیکن وہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے نہ پڑھ سکے۔

رُشد: مولانا! آپ کی شادی کب اور کیسے ہوئی؟

مولانا: شادی! (مسکراتے ہوئے) میری شادی زبردستی ہوئی تھی، ۱۹۷۹ء میں جب میں میٹرک کا طالب علم تھا میرا نکاح پڑھایا گیا اور رخصتی دو سال بعد ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔ میری اہلیہ عمر میں مجھ سے چھ ماہ چھوٹی ہیں، وہ میری پھوپھی زاد ہیں، میری پھوپھی جان کی خواہش تھی کہ سگے بھائی کی طرف اپنی بیٹی کی شادی کریں، لیکن میں ابھی چھوٹا تھا، اُدھر پھوپھا جان بیٹی کی شادی جلد کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ جلدی کرو ورنہ میں کہیں اور کر دوں گا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمارے شادی نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ لڑکیوں کی شادی میں نہایت حساس تھے اور بالغ ہوتے ہی ان کا نکاح کر دیتے تھے، عجیب بات تو یہ ہے کہ جب میری شادی ہوئی اس وقت میں بے ریش تھا۔

رُشد: مولانا! آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

مولانا: عام مسلمان بچوں کی طرح میری تعلیم بھی مسجد سے شروع ہوئی تھی، والدین مسجد بھیجنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، دادا جان مرحوم نماز پڑھ کر آتے تو جگا دیتے تھے اور میں مسجد چلا جاتا تھا۔ ہمارے اُستاد حافظ خلیل احمد جو پتوکی شوگر مل میں ملازم تھے، صبح صبح کام پر چلے جاتے اور میں نائب مدرس کی حیثیت سے پڑھایا کرتا تھا، لوگ حیران ہوتے تھے کہ اتنا چھوٹا بچہ تدریس کر رہا ہے، یہ تیسری یا چوتھی کلاس کی بات ہے۔ میں نے چھوٹی عمر ہی میں قرآن پاک پڑھ لیا تھا، پرائمری تک تو معاملہ یونہی چلتا رہا، پھر میں نے پرائمری کا امتحان اپنے گاؤں کے سکول سے پاس کیا۔ بعد میں گورنمنٹ ہائی سکول رینالہ خورد میں چھٹی کلاس میں داخلہ لے لیا اور میٹرک تک وہی پڑھتا رہا۔ چونکہ دادا وفات پا چکے تھے اور والد صاحب کو کام کرنے میں دِقت پیش آتی تھی لہٰذا جب میں آٹھویں جماعت میں تھا، انہوں نے کہا کہ اب پڑھنا چھوڑ دو اور کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ، لیکن میں کام کیلئے ذہنی طور پر تیار نہ تھا، میں انہیں اچھے طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا، بالآخر میرے اصرار پر وہ مان گئے اور مجھے تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دے دی، میں نے ۱۹۷۹ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ آخری دو سالوں میں کام کاج میں والدین کا ہاتھ بٹاتا رہا، میں والدین کا ہاتھ بٹاتا اور سکول جانے

سے پہلے کھیتوں میں چلا جاتا اور بیلنے میں گڑ نکالتا تھا، سکول سے واپس آ کر شام کے وقت میں کھیتوں سے مویشی گھر لاتا تھا تاکہ انہیں دادا جان کی کمی محسوس نہ ہو۔

رُشد: میٹرک آپ نے باقاعدہ ہائی سکول سے کیا پھر اچانک آپ کا رجحان دینی تعلیم کی طرف کیسے ہوگیا؟

مولانا: اس اچانک تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ والد محترم ایک مرتبہ نمازِ جمعہ کیلئے مسجد گئے تو قاری روشن دین - جو ہمارے عزیز بھی تھے - دینی تعلیم کی اہمیت اور فضیلت پر خطبہ دے رہے تھے۔ یہ خطبہ سن کر والد صاحب کا ذہن بدل گیا اور انہوں نے مجھے دینی تعلیم پڑھانے کا ارادہ کرلیا۔ پہلے تو وہ دُنیاوی تعلیم کی اجازت نہ دیتے تھے، لیکن اب قاری صاحب سے کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لے جائیں، قاری صاحب اس وقت دادفتیانہ ساہیوال میں مدرس تھے۔ وہاں میں نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کردیا اور ایک مہینہ میں تیسواں پارہ حفظ کرلیا۔ پھر انتظامیہ کے ساتھ قاری صاحب کے تعلقات خراب ہوگئے، وہ وہاں سے چھوڑ کر راجووال آ گئے اور مجھے بھی ساتھ لے آئے کہ میں وہاں پڑھاؤں گا اور آپ پڑھیں گے۔

رُشد: جامعہ کمالیہ راجووال سے جامعہ رحمانیہ کس کے ایما پر آنا ہوا؟

مولانا: راجووال کے ایک ساتھی عبدالعزیز بن محمد صدیق - جو اَب جماعۃ الدعوۃ کی طرف سے قصور کے ضلعی مسئول ہیں - جامعہ رحمانیہ میں پڑھتے تھے، مدرسہ میں ان کا آنا جانا تھا، وہ جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو جامعہ رحمانیہ کی بہت تعریف کرتے اور بتاتے کہ وہاں سے طلبہ کے مدینہ یونیورسٹی داخلے بھی ہوتے ہیں۔ قاری صاحب نے عبداللہ سلیم رحمہ اللہ سے مشورہ کرکے مجھے جامعہ رحمانیہ بھیج دیا۔ یہ ۸۰ء کی بات ہے، اس سال شیخ رمضان سلفی، پروفیسر نصیر اختر اور علامہ یوسف کا مدینہ داخلہ ہوچکا تھا، لیکن وہ ابھی مدرسہ میں موجود تھے۔ ان دنوں جامعہ کی عمارت ماڈل ٹاؤن میں ہوتی تھی، کیونکہ باڈی بلڈنگ کی عمارت اربن ٹرانسپورٹ والوں نے گرا دی تھی، مولانا صادق خلیل رحمہ اللہ نے میرا انٹرویو کیا اور مجھے اولیٰ ثانوی میں بٹھا دیا، میں نے تین سال تک ثانویہ میں اور ایک سال کلیہ میں پڑھا، یوں میں یہاں ۴ رسال پڑھتا رہا۔ اس وقت جامعہ کا تعلیمی کورس ۹ سالہ ہوتا تھا، اعدادی کے دو سال ابتدائی تھے، تین سال ثانوی کے اور چار سال کلیہ کے ہوتے تھے۔

رُشد: والدین آپ کو کیا بنانا چاہتے تھے؟ بالفاظِ دیگر انہوں نے آپ سے کیا اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں؟

مولانا: والدہ محترمہ کو مجھے پڑھانے کا شوق تھا، ہمارے گاؤں کے بازار میں حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی مدیر جامعہ ابی ہریرہ رینالہ خورد کے بھائی حافظ شفیق الرحمٰن ہوا کرتے تھے۔ والدہ چاہتی تھیں کہ میں حافظ قرآن بنوں، انہوں نے اسی مناسبت سے میرا نام محمد شفیق رکھا تھا، لیکن والد صاحب، جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، چاہتے تھے کہ میں زمینداری میں اُن کا ہاتھ بٹاؤں، دادا کی وفات کے بعد اگرچہ میں نے اُن سے پڑھنے کی اجازت بھی لے لی تھی، لیکن ان کی کوئی خاص خواہش نہ تھی جو میرے مستقبل کے حوالے سے قابل ذکر ہو۔ میٹرک تک میرا اپنا ذہن دینی تعلیم کی طرف نہ تھا، البتہ میں نماز روزہ کیا کرتا تھا، میں چاہتا تھا کہ ایم اے انگلش

کروں اور کسی کالج میں پروفیسر بن جاؤں، مگراب تو دین کی ترویج ہی میرا مقصدِ حیات ہے۔

رُشد: آپ اعلیٰ تعلیم کیلئے بیرون ملک کب روانہ ہوئے تھے؟

مولانا: جب ہم اولیٰ کلیہ میں تھے، اسی سال مدینہ یونیورسٹی کے ساتھ جامعہ کا معاولہ ہوا تھا۔ مدیر الجامعہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ - جو اس وقت ناظم ہوا کرتے تھے - سے کہا کہ اس سال ثانویہ پاس کرنے والے پانچ نمایاں لڑکوں کے کاغذات تیار کردیں۔ کلاس میں میرا پہلا نمبر تھا، خالد سیف رحمہ اللہ اس وقت آخری سال میں تھے، وہ ٹائپنگ بھی جانتے تھے اور دفتری کام بھی کرتے تھے۔ اُنہوں نے کاغذات کی تیاری میں ہم سے کافی تعاون کیا اور مدنی صاحب ہمارے کاغذات لے کر سعودی عرب روانہ ہوگئے، یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، ہمیں گرمیوں کی چھٹیاں ہوگئیں اور میں اعتکاف بیٹھ گیا، جامعہ میں میرے ایک کلاس فیلو قاری عبدالحلیم صاحب تھے جو ان دِنوں مزل مسجد لاہور میں تراویح پڑھا رہے تھے، ان کو اسلام آباد سے محترم مدنی صاحب کا فون، جامعہ کے ایک اُستاد جناب عبدالحئی انصاری حفظہ اللہ کے واسطے سے آیا اور مدینہ یونیورسٹی داخلے کی خوشخبری سنائی، وہ رمضان کی ستائیسویں رات میرے پاس آئے اور خوشخبری سنانے کے ساتھ پیغام دیا کہ رمضان المبارک کے بعد اسلام آباد انٹرویو کیلئے جانا ہے۔ ہم عید کے پانچ سات دن بعد اسلام آباد گئے۔ پاسپورٹ بنواتے اور ویزہ لگواتے ہمیں ہفتہ لگ گیا، اور آخر کار ۱۴؍ اگست ۱۹۸۴ء کو ہم سعودیہ کیلئے روانہ ہوئے۔

رُشد: مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آپ نے لاہور کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا اپنے گاؤں یا سعودی عرب میں ہی کام کرنا مناسب نہ تھا؟

مولانا: گاؤں میں کام نہ کرنے کے کئی اسباب تھے، سب سے بڑا یہ کہ وہاں کام کے اس قدر مواقع میسر نہ تھے، جبکہ سعودی عرب میں کام کرنے کا ذہن ہی نہ تھا۔ ہم پاکستان آنا چاہتے تھے اور لاہور کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ جامعہ رحمانیہ میں میرا شمار الحمدللہ نمایاں طلبہ میں ہوتا تھا اور پھر مدینہ یونیورسٹی میں ہمیں مدنی صاحب کی خدمت کا موقع بھی بہت ملا، سال میں ایک دو مرتبہ ان کا سعودی عرب آنا جانا رہتا تھا، کئی دفعہ مدینہ نبویہ سے مکہ مکرمہ اکٹھے سفر کیا۔ مدنی صاحب بھی ہمیں اہمیت دیتے اور یاد رکھتے تھے، اگر کسی ہوٹل میں قیام کرتے تو ہمیں بلا لیتے یا خود ہمارے پاس تشریف لے آتے۔ جب میں ۸۸ء میں جامعہ اسلامیہ کے آخری سال میں تھا تو مدنی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے جامعہ رحمانیہ میں کام کرنا ہے لہٰذا فراغت کے بعد میں نے تدریس کا آغاز جامعہ رحمانیہ ہی سے کیا۔

رُشد: دورِ طالب علمی میں آپ کی تعلیمی کیفیت کیا تھی؟

مولانا: میری تعلیمی حالت الحمدللہ شروع ہی سے اچھی تھی، خاص کر میں پرائمری کلاسوں میں اوّل دوم آتا رہا ہوں، میٹرک میں گھریلو مصروفیات کی بنا پر یہ پوزیشن کمزور پڑگئی تھی، البتہ جامعہ میں میری یہ پوزیشن برقرار رہی کہ اکثر مرتبہ پورے جامعہ میں بھی اوّل آجاتا تھا، ہماری کلاس کا یہ اعزاز رہا ہے کہ جامعہ کی پہلی تین پوزیشنز

میں سے ایک پوزیشن لازماً ہماری کلاس کی ہوتی تھی۔ مدینہ یونیورسٹی میں ۹۰٪ فیصد والا ممتاز ہوتا ہے، دوسرے سال میں، مَیں ممتاز تھا، باقی سالوں میں اس کے قریب قریب رہا، مدینہ یونیورسٹی میں میرے چاروں سالوں کے مجموعی نمبر ۸۸٪ فیصد تھے، وہاں امتحان کے حاصل کردہ نمبروں کے اعتبار سے، رول نمبر ملتے تھے، ۳۰۰ طلبہ میں سے میرا رول نمبر ہمیشہ ۵ تا ۱۰ کے درمیان رہا۔

رُشد: دورانِ تعلیم آپ کون سی ہم نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا کرتے تھے؟

مولانا: میں اپنی نصابی کمی کو پورا کرنے کیلئے گرائمر کی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتا تھا، کیونکہ ایک مرتبہ ہمارے اُستاد حافظ عبداللہ بھٹوی ﷾ نے بسم اللہ کی ترکیب پوچھی، میں نے تو ترکیب کا لفظ ہی پہلی بار سنا تھا، جبکہ ایک لڑکے نے وہ ترکیب سنا دی حالانکہ وہ ایک عام سطح کا طالبعلم تھا، مجھے اس کا شدید احساس ہوا اور میں نے گرائمر پڑھنا شروع کر دی، حتیٰ کہ کتاب النحو، کتاب الصرف اور عربی کا معلم نصاب میں شامل نہ ہونے کے باوجود میں نے خود پڑھی تھیں۔ ایک سال کے اندر ہی میں نے یہ کمی پوری کر لی، میں بفضلہ تعالیٰ عبارت کو دو تین دفعہ تیار کر کے کلاس میں جاتا تھا اور بسا اوقات ایک ہی سانس میں پوری پوری حدیث پڑھ دیتا تھا۔

رُشد: تدریس کے علاوہ آپ کی تبلیغی مصروفیات کیا ہیں؟

مولانا: میں بنیادی طور پر ایک مدرس ہوں اور جامعہ رحمانیہ میں عرصہ ۲۰ سال سے تدریس کے فرائض سر انجام دے رہا ہوں، اس کے علاوہ مجھے تحریر کا شوق ہے لیکن وقت ساتھ نہیں دیتا ہے۔ مجلس التحقیق الاسلامی (Islamic Research Council) میں بھی ذمہ داری ہے، جہاں میں ماہنامہ محدث اور دوسرے تحقیقی کاموں کی نظر ثانی کرتا ہوں، علاوہ ازیں 'جامع الاصول' کے فوائد کی ترتیب اور 'قواعد فقہیہ' کی تہذیب کا کام میرے ذمے ہے، ان شاء اللہ بہت جلد وہ منصۂ شہود پر آ جائے گا، پچھلے دنوں بین الاقوامی سطح پر رابطہ عالم اسلامی سعودی عرب کی طرف سے 'جنگ میں اخلاق نبوی' کے موضوع پر مقابلہ تھا، میں نے مدنی صاحب کی تحریک پر کام کرنا شروع کیا، ۱۵۰ صفحات کا مقالہ عربی زبان میں تحریر کرنا تھا، لیکن بعض ناگزیر مصروفیات کی بنا پر مقررہ تاریخ ۳۰ شعبان تک یہ مقالہ مکمل نہ ہو سکا، میری کوشش یہ ہے کہ بہت جلد یہ کتابی شکل میں آ جائے۔ اس کے علاوہ میں اپنی مسجد میں مستقل خطبہ جمعہ دیتا ہوں، درس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور اپنے ادارے عبد اللہ بن مسعود اسلامک سنٹر کے انتظام کی بھی ذمہ داری ہے، اس لحاظ سے میرا وقت کافی مصروف گزرتا ہے۔

رُشد: آپ نے اپنے ادارے کا ذکر فرمایا ہے، آپ کو الگ ادارہ کھولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مولانا: ہر آدمی کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں، میں جب جامعہ رحمانیہ میں ناظم ہوتا تھا تو چند چیزیں میرے ذہن میں تھیں جن پر عمل درآمد نہ ہو سکا، کیونکہ پالیسی بہر حال ادارے کی تھی۔ پہلی چیز یہ تھی کہ ہمارے پاس میٹرک، ایف اے اور بی اے پاس لوگ شارٹ کورس کیلئے آتے تھے، لیکن ہمارے ہاں ایسا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر بعض لوگ آ بھی جاتے تو وہ رہائش اور کھانے وغیرہ کا انتظام دیکھ کر پڑھنے پر امادہ نہ ہوتے کیونکہ ہمارے ہاں مدارس میں کھانا اور رہائش درویشانہ ہوتی ہے جس سے طلبہ میں احساسِ کمتری جنم لیتا ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ ذہین اور کند ذہن طلبہ کیلئے نصاب کی تقسیم نہ تھی کہ ذہین لڑکا پانچ سال میں وہ کتابیں پڑھ لیتا ہے جو کمزور طالبعلم آٹھ سال میں بھی نہیں پڑھ سکتا، لیکن ان کیلئے ایک جیسا نصاب تشکیل دیا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں ذہین طلبہ کیلئے چار یا پانچ سالہ ایسا تعلیمی منصوبہ تھا جس میں صاف ماحول، معیاری رہائش اور بہترین کھانے کا انتظام ہو اور قابل طلبہ کو مختصر وقت میں خدمتِ دین کیلئے تیار کیا جاسکے تاکہ وہ معاشرے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر ٹھوکریں کھانے کی بجائے باعزت طریقے سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔

رُشد: کیا کبھی والدین سے مار کھائی ہے؟ کوئی واقعہ جو یاد ہو!

مولانا: میں کوئی اتنا شرارتی لڑکا نہ تھا کہ والدین سے مار پڑتی، جب میری عمر دو ماہ تھی اس وقت میرا بڑا بھائی وفات پا گیا تھا اور مجھ سے چھوٹی دو بہنیں تھیں لہٰذا والدین مجھ سے کافی شفقت سے پیش آتے تھے۔ تاہم ایک واقعہ یاد ہے جب میں تیسری کلاس میں پڑھتا تھا تو ایک دن میرا تایا زاد بھائی بھی میرے ہمراہ تھا، ہمارے گاؤں میں اَنار کے دو باغ تھے، ایک باغ ہمارے رشتہ داروں کا تھا اور دوسرا کسی اور کا۔ ہم نے وہاں سے انار توڑ لئے، لیکن وہ باغ دوسرے گھر کا تھا مگر ہمیں معلوم نہ ہوسکا۔ باغ کا مالک ہمارے پیچھے دوڑا اور ہم بھاگم بھاگ گھر پہنچ گئے، بعد میں، مَیں مویشی کھیت سے گھر واپس لا رہا تھا کہ والد صاحب کو تایا جان نے ہماری چوری کا اشارہ کر دیا، بس یہ سننا تھا کہ والد صاحب نے پٹائی شروع کر دی، یہ مجھے یادگار مار پڑی تھی۔ والد صاحب اگرچہ اَن پڑھ تھے لیکن اخلاقیات میں کافی سختی کرتے تھے، حتیٰ کہ ہمیں اس عمر میں بھی اُن سے ڈر لگتا ہے جب مار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رُشد: آپ کو کسی دینی یا سیاسی تحریک میں بطورِ کارکن کام کرنے کا موقع ملا؟

مولانا: مجموعی طور پر میں کسی خاص شخصیت یا تحریک سے متاثر نہیں ہوا اور میرا مزاج بھی ایسا ہے کہ میں جذبات کا شکار ہو کر کسی سے متاثر نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ میں نے کسی تحریک میں رکنیت اختیار نہیں کی۔ ہر تنظیم کے اچھے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور جس کو غلط سمجھتا ہوں تنقید بھی کر دیتا ہوں۔ ہمارے جامعہ میں جہادِ افغانستان کے وقت محترم خالد سیف رحمہ اللہ نے تحریک المجاہدین کی بنیاد رکھی تھی، میں اُس کا بھی رُکن نہ تھا، یہ حافظ سعید صاحب اَمیر جماعۃ الدعوۃ سے پہلے کا کام تھا، خالد سیف صاحب جامعہ کے طلبہ کو ٹریننگ دیا کرتے تھے، حافظ سعید یہاں آتے رہتے اور کہتے کہ تم ہمارے ساتھ مل جاؤ، یہ انہیں کہتے کہ تم ہم سے مل جاؤ۔ پھر حافظ صاحب نے چیمبرلین میں دفتر بنا لیا، ہم وہاں آتے جاتے رہتے تھے، بعد ازاں خالد سیف جہاد میں شہید ہوگئے، ان کے ساتھ جامعہ کے چند طلبہ بھی تھے، ان کی شہادت کے بعد تحریک المجاہدین اتنا منظم کام نہ کر سکی، کیونکہ خالد سیف رحمہ اللہ بڑے متحرک تھے اور دن رات جہاد کا نام لیتے رہتے تھے، لیکن بعد میں وہ تڑپ اور جذبہ ختم ہوگیا۔

رُشد: کیا بچپن میں آپ کھیلا کرتے تھے؟ آپ کو کون سا کھیل زیادہ پسند ہے؟

مولانا: مجھے بچپن میں کھیل کا شوق تھا، اگر سکول میں موقع مل جاتا تو فٹ بال کھیل لیتے تھے، اس کے علاوہ کبڈی،

وانجو اور آنکھ مچولی میں بھی دلچسپی تھی۔ جب راجووال پڑھنے گیا تو وہاں والی بال کھیلنا شروع کر دیا، اُستاذِ محترم مولانا عبد اللہ سلیمؒ کافی شوقین تھے، خود بھی کھیلتے اور طلبہ کو بھی کھلاتے تھے، بعد میں میرے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹیڑھی ہوگئی تو کھیلنا چھوڑ دیا۔ ہم رحمانیہ میں بھی نیٹ لگا کر کھیلا کرتے تھے حتیٰ کہ ہماری ٹیم مقابلہ کیا کرتی تھی۔ میرے خیال میں صحت کیلئے ہاکی، والی بال اور فٹ بال مفید ہے، کبڈی تو تقریباً ختم ہوگئی ہے۔

رُشد: الیکٹرانک میڈیا کے بارے میں علمائے کرام کے تحفظات سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا: علمائے کرام کو الیکٹرانک میڈیا پر آنا چاہئے، تصویر کو مسئلہ بنا کر پیچھے بیٹھ رہنا بڑے ضرر کو دعوت دینے کے مترادِف ہے، کیونکہ لبرل اور بدعتی لوگ غلط نظریات پھیلا کر عوام الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔ تصویر کا مسئلہ بذاتِ خود مختلف فیہ ہے اور اگر یہ گناہ بھی ہو تو دین کا جز بنتا ہے کل نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی کام ظاہری طور پر کسی خاص نص سے ٹکراتا بھی ہو تو بڑا دینی فائدہ حاصل کرنے کیلئے، دین کے عمومی مقاصد میں اس کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا علمائے کرام کو میڈیا پر آنا چاہئے اور دین کی صحیح ترجمانی کرنی چاہئے، کیونکہ پوری قوم کا گمراہ ہونا بہت بڑا نقصان ہے۔

رُشد: کیا پاکستان میں مروجہ جمہوریت کے ذریعے اسلام کا بول بالا ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو اس ملک میں نفاذِ اسلام کی راہ کیا ہے؟

مولانا: میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں جمہوریت کی مخالفت کے بجائے نفاذِ اسلام میں محنت کرنی چاہئے، جمہوریت ختم کر کے فوراً خلافت کا آنا محض ایک خواب ہے، مروجہ جمہوری نظام کے ذریعے اگر لوگ ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہیں تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور عوامی سطح کے منتخب کردہ دین دار نمائندے پارلیمنٹ یا اسمبلی میں اسلامی شق پاس کر سکتے ہیں۔ نماز کی پابندی، حدود کا نفاذ، روزوں کا احترام، زکوٰۃ کا نظام اور اس جیسے دیگر اتفاقی مسائل سے اسلامی ماحول پیدا ہوگا اور جرائم کا خاتمہ ہوگا۔ اگر ذمہ دار حضرات کی نیت درست ہو تو کون روک سکتا ہے۔ ہمارے ملک کے اندرونی معاملات میں امریکہ کی مداخلت تو نائن الیون کے بعد تیز ہوئی ہے، دراصل صاحبانِ اقتدار سمجھتے ہیں کہ اگر حدود کا نفاذ کر دیا گیا تو سب سے پہلے وہی اس کی زد میں آئیں گے۔

رُشد: فضلائے مدارس کی اکثریت سکول میں ٹیچنگ شروع کر دیتی ہے، کیا یہ مناسب ہے؟

مولانا: میں طلبہ کے مختلف شعبوں میں جانے کے بارے میں وسیع ذہن رکھتا ہوں تاہم یہ اَربابِ مدارس کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو اُن کے ذوق اور صلاحیت کے مطابق، مستقبل میں کھپانے کی مناسب منصوبہ بندی کریں، سکول کالج میں پڑھانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ اگر غیر مسلم مشنری سکول و کالج میں اپنا تبلیغی کام کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ آخر یہ میدان ہم دوسروں کیلئے خالی کیوں چھوڑیں کہ وہ نئی نسل کا ذہن خراب کرتے رہیں؟ کیونکہ یہی عمر اصلاح و ہدایت کی عمر ہوتی ہے اور انہیں لوگوں نے کل کو ملک کی زمام کار سنبھالنا ہے، البتہ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ دینی طلبہ کو فوج یا پولیس جیسے ان محکموں میں ہرگز نہیں جانا چاہئے، جن میں آدمی

بالکل ہی ضائع ہو جاتا ہے۔

رُشد: کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اور انجینئر بھی ہو؟

مولانا: بعض حضرات کے نزدیک دینی اور دُنیاوی تعلیم کے امتزاج کا تجربہ ناکام ثابت ہوا ہے لیکن میرے خیال میں دونوں قسم کی تعلیم ایک ساتھ چل سکتی ہے کیونکہ جو طلبہ مدارس میں پوزیشن لیتے ہیں، وہی سکول کالج میں اول، دوم آتے ہیں، البتہ یہ کام مشکل ہے کہ ایک شخص مکمل عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اور انجینئر بھی ہو۔ عالم دین ہونے کے ساتھ عصری علوم سے معلومات کی حد تک آگاہی تو ممکن ہے، لیکن جو ڈاکٹر یا انجینئر بن جائے گا وہ بہر حال دین کا کام کما حقہ جاری نہیں رکھ سکے گا، مثلاً ایک ڈاکٹر کبھی بھی اچھا انجینئر نہیں ہوگا اور بائیو کا پروفیسر کیمسٹری نہیں پڑھائے گا، آج کل تو ویسے بھی اسپیشلائزیشن کا دَور ہے، لہٰذا یکسوئی سے سب کچھ پڑھا اور پڑھایا نہیں جاسکتا۔

رُشد: کیا مدارس دہشت گردی میں ملوث ہیں؟

مولانا: مدارس کا دہشت گردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ امریکہ کو مدارس سے اس وجہ سے خطرہ ہے کہ یہاں سے صحیح معنوں میں علم کے حاملین پیدا ہو رہے ہیں، جو خود بھی دینی غیرت رکھتے ہیں اور عوام کو بھی کفار کی تقلید کی بجائے اپنی الگ شناخت اور دینی حمیت کی تلقین کرتے ہیں، یہ دینداری امریکہ کے نزدیک دہشت گردی ہے اور مدارس میں یہی دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں۔ لہٰذا امریکہ کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے، کیونکہ ایک مسلمان کو فطری طور پر کفر سے چڑ ہوتی ہے۔ لیکن بم دھماکوں اور خودکش حملوں میں مدارس قطعاً ملوث نہیں بلکہ یہ ایجنسیوں اور تنظیموں کا کام ہے یا چند جاہل لوگ جذبات کا شکار ہو کر دُنیوی مفاد کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔

رُشد: مجلّہ رُشد کا اجرا آپ کو کیسا لگا؟ اگر اس بارے میں کوئی رائے ہو تو؟

مولانا: یہ ایک اچھی کاوش ہے جس کی ضرورت تھی، لیکن میں مجلّہ رُشد کا صحیح طرح جائزہ نہیں لے سکا ہوں، بالاستیعاب مطالعہ کر کے مشورہ دے سکتا ہوں، تاہم میں نے ایک دو چیزیں نوٹ کی ہیں کہ اخبار الجامعہ میں اساتذۂ کرام کے نام ذکر کرتے وقت القاب مناسبِ مقام نہیں ہوتے، جس شخص کا جو مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص جس مقام کا حامل ہوتا ہے، اس کو نام لکھتے وقت وہی حیثیت دی جانی چاہیے، پہلی کلاس پڑھانے والے اُستاد کے ساتھ فضیلة الشیخ اور بڑے اساتذۂ کرام کے ساتھ بعض اوقات صرف حافظ لکھا ہوتا ہے، حالانکہ ہر درجے کے الگ الگ الفاظ ہیں، فضیلة الشیخ ایک اعلیٰ ترین علمی مقام ہے لہٰذا بڑے اساتذہ کیلئے القاب ان کے مناسب ہونے چاہئیں، القاب کو درجے کے مطابق استعمال نہ کرنا اور چھوٹے اساتذہ کو بڑے القاب دینا خوشامد ہے جو مجھے ذاتی طور پر اچھی نہیں لگتی اور یہ شرعاً بھی جائز نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ چونکہ مجلّہ رشد طلبہ کا آرگن ہے، لہٰذا اس میں مضامین بھی طلبہ کی حد تک ہی رہنے چاہئیں اور بیرونی کوئی مضمون اس میں شائع نہ کیا جانا چاہیے، کیونکہ مقصد طالبانِ علم کی تربیت ہے لہٰذا کوشش کی جانی چاہئے کہ طلبہ اس میں زیادہ سے زیادہ لکھیں۔